رسائل و مسائل

حضرت عمرؓ و حضرت ساریہؓ کا واقعہ

سوال: آپ کو ایک اشکال کے سلسلے میں زحمت دے رہا ہوں، رہنمائی فرمائیں۔

"سیرتِ فاروق اعظمؓ" کے زیرِ عنوان اکثر کتابوں اور وعظوں میں ایک روایت لکھی اور بیان کی جاتی ہے۔ بعض لوگ اسے "انتقالِ خیال" (TELEPATHY) کی بہترین مثال قرار دیتے ہیں۔ اور بعض لوگ اس کی توجیہہ میں "انتقالِ خیال" کو پیش کرتے ہیں۔ میرا اشارہ واقعہ "یاساریۃ الی الجبل" کی طرف ہے۔

۱۔ کیا یہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ روک کر ایک خاص ہدایت جاری کریں۔

۲۔ کیا حضرت عمرؓ کو علم الغیب تھا؟

۳۔ کیا حضرت عمرؓ اتنی دور سے دیکھ سکتے تھے، جب کہ وہ عالمِ اسباب میں تشریف فرما تھے۔

۴۔ حضرت ساریہؓ میں اتنی قوتِ سماعت تھی کہ ہزاروں میل دور سے حضرت عمرؓ کی آواز سن پائے جب کہ وہ بھی عالمِ اسباب میں تشریف رکھتے تھے۔

۵۔ کیا اس پورے واقعے سے علمِ غیب کی تعریف بدل نہیں جاتی۔

۶ — جو حضرات اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں وہ قائل ہوتے ہیں کہ یہ تو رسولؐ کے ایک غلام کا حال تھا تو پھر حضورؐ کے علمِ غیب کا کیا مرتبہ ہوگا۔ اسی سے وہ حاضر، ناظر و مختارِ کل کا اثبات و انطباق کرتے ہیں اور خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ اس روایت کا علمی پایہ کیا ہے؟

جواب: حضرت عمرؓ سے متعلق جس تاریخی روایت کا ذکر آپ نے کیا ہے، میرے نزدیک وہ بالکل صحیح ہے اور محض واعظین کا قصہ نہیں ہے۔ سلف سے خلف تک اسے مؤرخین ہی نے بیان نہیں کیا، بلکہ نہایت ثقہ علماء و فقہاء نے معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء پر بحث کرتے ہوئے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ملّا علی القاری جو بڑے جلیل القدر حنفی محدث اور فقیہ اور متعدد کتب کے مصنّف ہیں۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کی تصنیف فقہ اکبر کی جامع تشریح شرح فقہ اکبر کے نام سے لکھی ہے، اس میں امام صاحب کی عبارت: المعجزات الانبیاء والکرامات للاولیاء حق (انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات حق ہیں) کی شرح میں لکھتے ہیں:

فان کرامۃ التابع کرامۃ المتبوع والولی هو عارف باللہ وصفاته ما یمکن له المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیئات المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات والغفلت واللهوت وذلك کما وقع من جریان النیل بکتاب عمر ورؤیته علی المنبر بالمدینة جیشه بنهاوند حتی قال لامیر الجیش یاساریة الجبل الجبل محذّرًا له من وراء الجبل لکمن العدو هنالك وسماع ساریة کلامه وکشرب خالد السم من غیر تضرر به وکذا ما وقع لغیره من الصحابه .....

(تابع کی کرامت دراصل متبوع کی کرامت ہے اور ولی وہ ہے جو اپنی امکانی حد تک اللہ اور اس کی صفات کو پہچانے، بندگی پر ہمیشہ استوار رہے، بُرائیوں سے بچے، لذات، شہوات، غفلت، لہو ولعب میں انہماک سے منہ موڑے۔ ایسے اولیاء سے کرامات واقع ہوتی ہیں، جس طرح حضرت عمرؓ نے دریائے نیل میں اپنا خط ڈلوایا اور دریا میں روانی آگئی۔ اور مدینہ میں انھوں نے اپنے لشکر کو دیکھ لیا جو نہاوند (ایران) میں جہاد پر تھا، یہاں تک کہ امیر لشکر حضرت ساریہؓ کو پکارا: اے ساریہ، پہاڑ کا رُخ کرو، پہاڑ پر توجہ کرو، کیونکہ دشمن اس کے پیچھے چھپا تھا، جس سے خبردار کر رہے تھے۔ حضرت ساریہؓ نے یہ کلام سن لیا۔ اور خالدؓ بن ولید نے زہر پی لیا، مگر اس کے ضرر سے محفوظ رہے۔ دیگر صحابہ کرام سے بھی کرامات کا صدور ہوا۔)

اب میں ایک دیگر بلند پایہ محقق و محدث امام ابن تیمیہؒ کا قول نقل کرتا ہوں۔ ان کے مجموعہ الفتاویٰ کی جلد ۱۱ تصوف سے متعلق ہے اور اس کا آخری حصہ معجزات و کرامات ہی سے بحث کرتا ہے۔ اس میں امام موصوف نے اولیاء کی تعریف قریب قریب وہی فرمائی ہے جیسی کہ امام علی القاری سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو کرامات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے حاصل ہوئی ہیں: فھی فی الحقیقۃ تدخل فی معجزات الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (یہ کرامات دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے زمرے میں داخل ہیں)۔ پھر امام ابن تیمیہؒ نے متعدد صحابہ کرام کی کرامات گنوائی ہیں۔ اسی ضمن میں لکھتے ہیں کہ خالد بن ولید ایک مستحکم قلعہ کا محاصرہ کیا، وہاں انھوں نے زہر آلود مشروب پیا، مگر انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا۔ پھر لکھتے ہیں کہ عمر بن الخطاب نے ایک لشکر جہاد پر روانہ فرمایا اور ایک شخص ساریہؓ نامی کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت عمرؓ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک منبر پر پکار اٹھے۔ یا ساریۃ الجبل، یا ساریۃ الجبل (اے ساریہ پہاڑ کا

رُخ کرو، اے ساریہ پہاڑ کی جانب چلو) ۔ اس کے بعد لشکر سے ایک پیغام رساں آیا جس نے بتایا، اے امیر المومنین ہم نے دشمن کا مقابلہ کیا اور پسپا ہو رہے تھے کہ آواز آئی کہ اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف بڑھو، پہاڑ کی جانب چلو۔ ہم نے پہاڑ کو پشت پر لیا اور اللہ نے دشمن کو شکست دے دی" (مجموعہ فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۱۱ ص ۲۷۰)۔

امام ابن جریر طبری نے بھی تاریخ الامم والملوک جلد سوم، ۲۳ھ کے واقعات میں حضرت عمرؓ اور حضرت ساریہؓ کا یہ قصہ پورا بیان کیا ہے۔ بعد کے مؤرخین اور سیرت نگار بھی اس واقعہ کو بالعموم بیان کرتے ہیں۔ مثلاً مولانا اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی نے اپنی "تاریخ اسلام" میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے واقعات میں اسے درج کیا ہے۔ الاخوان کے مرشد عام الشیخ عمر تلمسانی کی کتاب "شہید المحراب" جس کا ترجمہ حافظ محمد ادریس صاحب نے کیا ہے، اس میں بھی اس واقعہ کا ذکر موجود ہے۔

بہر کیف نقل صحیح اور مستند تاریخی روایات سے جو واقعات اُمت میں مشہور و معروف ہیں، ان کی نوعیت خواہ خوارق و کرامات ہی کی کیوں نہ ہو، انہیں تسلیم کر لینے میں کوئی شرعی یا عقلی مضائقہ نہیں ہے، نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جن حضرات سے ان کا صدور ہوا ہے، انہیں ایسا علم غیب یا غیر معمولی مافوق الاسباب قدرت یا دسترس بخشی گئی کہ وہ جہاں چاہتے، پہنچتے، جو چاہتے کر لیتے۔ کسی ولی یا کسی نبی کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایسا ہمسر نہیں بنایا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، جس حد تک چاہتا ہے انبیاء علیہ السلام اور اولیائے کرام کو علم غیب عطا فرما دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ معجزات اتنی کثیر تعداد میں ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ کی جس بحث کا ذکر اُوپر آ چکا ہے، اسی میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضورؐ کے ایک ہزار معجزات جمع کئے ہیں۔ لیکن قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور کے اپنے اختیار میں نہ تھا کہ جو معجزہ آپ چاہیں یا جس کا مطالبہ مخالفین کریں، بہر صورت وہ صادر

ہو جاتے۔ آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار اُمورِ غیبیہ پر مطلع فرما دیا۔ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے، لیکن واقعۂ افک جسے حضرت عائشہؓ نے خود روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضورؐ پر بے قراری و اضطراب اور حزن و ملال کی کیفیت اس معاملے میں نزولِ وحی کے لمحات تک طاری رہی جس سے واضح ہوتا ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی جملہ مغیبات یعنی واقعات و اُمورِ غیبیہ کا فوری براہ راست بلاواسطہ علم نہیں ہو جاتا۔ البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے، غیب کا علم انبیاء علیہم السلام کو بھی عطا فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللّٰہ ولا اعلم الغیب (الانعام-۵۰)

حضرت عمرؓ کے ایک یا دو واقعات سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں ہر واقعہ یا اکثر واقعات کا غیبی علم ہو جاتا تھا۔ حضرت ساریہؓ والا واقعہ ایران کے جہادِ نہاوند میں پیش آیا ہے اور بعض تاریخوں میں درج ہے کہ ابولولو جس نے حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کر کے آپ کو شہید اور متعدد صحابہ کرام کو زخمی کر دیا تھا یہ بھی نہاوند کا گرفتار شدہ غلام تھا۔ بعض مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس بدبخت کی گفتگو اور حملہ سے چند روز پیشتر کی حرکات و سکنات مشتبہ تھیں، لیکن تقدیر و قضائے ربانی میں جو کچھ طے تھا وہ ہو کر رہا اور حضرت عمرؓ یا کسی دوسرے صحابی کو پیشگی علم نہ ہو سکا کہ قاتلانہ حملہ ہو گا۔

حضرت یوسفؑ کنویں میں ڈالے گئے، نکالے گئے، مصر پہنچائے گئے۔ اس سلسلۂ واقعات کا علم حضرت یعقوبؑ کو نہ ہو سکا، لیکن جب اللہ نے چاہا اور حضرت یوسفؑ نے اپنے نابینا والد کے لیے اپنا قمیص روانہ کیا تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے۔

ٹیلی پیتھی یا انتقالِ خیال کے بارے میں مجھے زیادہ معلومات نہیں ہیں، مگر میں حضرت عمرؓ کے واقعہ کو ٹیلی پیتھی کی مثال نہیں سمجھتا۔ کرامت کوئی ایسا ما فوق الفطری وصف یا صلاحیت نہیں ہے جو مشق و ریاضت سے کسی کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ ایک نتیجہ اور انعام ہے کاملاً اتباعِ شریعت کا، جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہؒ

اس ضمن میں فرماتے ہیں: فاولیاء اللہ المتقون ھم المقتدون لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم فیفعلون ما امر بہ وینتھون عما زجر عنہ و یقتدون بہ فیما بین لھم ان یتبعوہ فیہ فیؤیدھم بملائکتہ و روح منہ ویقذفون فی قلوبھم من انوارہ و لھم الکرامات التی یکرم اللہ بھا اولیاءہ المتقون ۔ (اولیاء اللہ اور متقی حضرات وہ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں، جس بات کا حکم دیا گیا، اُس پر عمل کرتے ہیں اور جس سے ڈرایا گیا ہو، اُس سے باز رہتے ہیں اور جس اتباع کی وضاحت فرمائی گئی، اس کی پیروی کرتے ہیں۔ پس اللہ اپنے فرشتوں، بالخصوص جبریلؑ سے ان کی مدد فرماتا ہے اور اپنے انوار ان کے قلوب میں ڈال دیتا ہے۔ پھر انھیں کرامات حاصل ہوتی ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے اولیائے متقین کو عزت بخشتا ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ کرامات دراصل اتباعِ شریعت کا نتیجہ اور منجانب اللہ عزت افزائی کی علامت ہیں۔ جو شخص پوری طرح شریعتِ اسلامیہ کا پیرو نہیں اس سے خوارق کا صدور خود اس کے لیے اور دوسروں کے لیے باعثِ فتنہ تو ہو سکتا ہے، مگر اس چیز کا کوئی تعلق نیکی، بزرگی، خدارسیدگی سے جوڑنا صحیح نہیں ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ خطبۂ جمعہ کے دوران رُک کر بیچ میں کوئی دوسری بات کرنا، تو یہ امر جائز ہے۔ خطبہ ایک خطاب و تقریر ہے جو نمازیوں کو مخاطب کر کے کی جاتی ہے۔ احادیث و روایات سے ثابت ہے کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے خطبے کے بیچ میں بھی حاضرین کو کبھی کوئی خاص ہدایت فرمائی۔ دورانِ خطبہ بعض سوال و جواب بھی منقول ہیں۔

(غلام علی)